www.naushahidynasty.com

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ "مجھے لوگوں کے اخلاق سنوارنے کے لیے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔" بہت سی احادیث حضور اکرم ﷺ کے اخلاق اور اخلاقی سبق کو ظاہر کرتی ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک کے دریافت کرنے پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ بہترین مخلوق وہ ہے جو اخلاق حمیدہ کی مالک ہے۔ لہذا واضح ہوا کہ بہترین خصلت انسان کا اچھا اخلاق ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"میں نے سنا کہ حضرت حارثؓ کہتے تھے کہ میں نے تین چیزوں کو تین چیزوں کے ساتھ کامل کیا۔ خوبروئی کو ساتھ حفاظت کے، خوش کلامی کو سچائی کے ساتھ اور امانت کو ساتھ ایفائے عہد کے۔"[1]

بقول حضرت ذوالنون مصریؒ "دنیا میں بدترین وہ شخص ہے جو بد اخلاق ہے۔"[2] حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو یہ حکم دیا کہ اپنے کپڑوں کو پاک رکھیئے۔ میں نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں آپؐ پر مکمل کر دی ہیں۔ یہاں کپڑے پاک رکھنے سے مراد ہے کہ اپنے اخلاق کو اچھا بنائیے اور باطنی نعمتوں سے مراد اخلاق کی نیکی ہے۔[3] سرکار دو عالم ﷺ نے صرف اخلاق کی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ خود اخلاق کا بہترین عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ اس امر کی واضح دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ واضح ارشاد ہے۔

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِسْوَةٌ حَسَنَه"

کسی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضور ﷺ کا اخلاق قرآن مجید تھا۔ اس ارشاد سے صاف عیاں ہے کہ دین اسلام کی بنیاد اخلاق کی اعلیٰ اور ارفع اقدار پر رکھی

1- غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ ص607

2- ایضاً ص607

3- ایضاً

گئی ہے۔ جس دین اسلام کا پیغام حضور اکرم ﷺ نے دیا اس پیغام کو اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام نے عوام تک پہنچایا اور لوگوں کے سامنے اخلاق محمدیؐ کا بہترین عملی نمونہ پیش کیا۔ انہوں نے جہاں سماج میں پروان چڑھنے والی اخلاقی قدروں کی توڑ پھوڑ کا سد باب کیا وہاں لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت بھی کی۔ ہمارے پنجابی صوفی شعراء نے اپنے کلام کے ذریعے ان ہی اعلیٰ اقدار کا پرچار کیا۔

بابا فریدؒ فرماتے ہیں:

فریدا جے تیں مارن مکیاں تنہاں نہ ماریں گھُم
اپنے گھر جائیے پیر تنہاں دے چم(1)

فریدا بُرے دا کر بھلا غصہ نہ من ہنڈاہ
اگے مول نہ آوسی دوزخ سندی بھاہ(2)

شاہ حسینؒ فرماتے ہیں:

رہیئے وو نال سجن دے رہیے وو
لکھ لکھ بدیاں سوسو طعنے سبھو سر تے سہیئے وو(3)

سلطان باہو کہتے ہیں:

ج: جیوندیاں مر رہنا ہووے تاں دلیس فقیری لیئے ہو
جے کوئی سُٹے گدڑ گوڑا وانگ اروڑی سہیئے ہو
جے کوئی کڈھے گالاں مہنے اسنوں جی جی کہیئے ہو
گِلہ الاہمہ بھنڈی خواری یار دے پاروں سہیئے ہو(4)

1- آکھیا بابا فرید نے ص150
2- ایضاً ص223
3- کافیاں شاہ حسین ص30
4- ابیاب سلطان باہوؒ ص261

حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے بھی اپنے کلام میں نیک اخلاق اپنانے پر بہت زور دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ زبان سے اچھے الفاظ نکالنے چاہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:"قُولُو لِلنّاسِ حسنَا" یعنی لوگوں سے اچھی بات کہو اسی میں عزت ہے۔ اچھے اخلاق سے دشمن کو بھی تابع بنایا جا سکتا ہے:

مٹھا بولن ہار ہے نوشہ سب دا یار
مندا بولن جگت وچ سب سے کرے بیزار (1)

حضرت نوشہ صاحبؒ اچھے اخلاق والے لوگوں کی یہ پہچان بتاتے ہیں:

مِٹھا بولن پردہ پاون نال مسکینی جالن
نار پرائی مول نہ تکن نہیوں نردھن نال پالن (2)

نوشہ صاحب نے اخلاق کو انفرادی ضرورت ہی نہیں بتایا بلکہ اجتماعی اور معاشرتی ضرورت سمجھ کر اسے اپنی شاعری کا موضوع بنایا:

اللہ پاک فرمایا سن پیارے سچیار
رحمت چاہیں رحم کر نوشہ کہے پکار (3)

o

قتل مومن دا کفر ہے گالی دین گناہ
حضرت ایہہ فرمایا کہے فقیر نوشاہ (4)

o

1- گنج شریف ص382
2- ایضاً ص383
3- ایضاً ص384
4- ایضاً ص255

قتل مومن دا کفر ہے اس وچ شک نہ کائے
نوشہ، رب نہ بھاوندا قاتل بخشیا جائے
دغا کرے جو دوستاں یا کیتا گن وسرائے
یا مارے کسے وساہ دے اوہ بہشت نہ جائے[(1)]

o

ہاں جی ہاں جی آ کھیئے نت رہیے مرشد پاس
نوشہ وچ جہان دے رل مل کریئے واس[(2)]

نوشہ صاحبؒ کے خیال کے مطابق اچھا اخلاق یہ ہے کہ بندہ اچھے اخلاق کا عملی مظاہرہ کرے۔ خودی تکبر کو ترک کر کے لوگوں کی بے لوث خدمت کرے۔ اس کا یہ وصف بندگی متصور ہوگا۔

خدمت بندگی والیاں غافلاں وڈیائی
نوشہ چھڈ تکبری خادم ہوکے جی[(3)]

سب سے بہتر اخلاق سچائی ہے اور سب سے بُرا اخلاق جھوٹ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جھوٹ ہی ہر برائی کی جڑ ہے۔ اس لیے بزرگوں نے ہمیشہ جھوٹ سے دور رہنے کا درس دیا ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے بھی اپنی شاعری میں جھوٹ سے دامن بچانے کی بار بار تلقین کی ہے:

نوشہ جھوٹھ نہ بولیئے کریئے سچ کلام
برکت ناہیں جھوٹھیاں ہوون بے آرام[(4)]

1- گنج شریف ص379
2- ایضاً ص318
3- ایضاً ص401
4- ایضاً ص379

جھوٹھ پنتھ نہ اپڑے توڑ
نوشہ جھوٹھ کوٹھے دی دوڑ

نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں نہ صرف اخلاق کا ہی درس دیا ہے بلکہ اپنے دور کی سماجی اور اخلاقی برائیوں کو بے باکانہ انداز میں بے نقاب کیا ہے۔

چلمی ، ناسی ، پوستی ، بھنگی ، شرابی
آکھے نوشہ قادری ایہناں سدا خرابی[1]
جس جھگے وڑے کنجری ڈوم اتے شراب
نوشہ آکھے اجکل اوہ جھگا ہووے خراب

آخر میں فرماتے ہیں:

بدکلاماں سُنے نہ آکھے جو مرشد دا بیلی
اپنے دین دا واقف ہووے تس رت اللہ بیلی

صبر و رضا

تصوف کے مرغزار میں صبر و رضا کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ قرآن پاک اور احادیث میں اسکی واضح اہمیت موجود ہے۔ صبر کیا ہے؟ اس کے متعلق قرآن پاک کی روشنی میں بزرگان دین نے نہایت صراحت سے بیان کیا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

"یَاایُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُو السْتَعِیْنُوْا بَاالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" [2]

یعنی۔ اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سے مدد طلب کرو۔

حضور اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ صدمے کی صورت میں صبر کرنا بہتر ہے۔

1- گنج شریف ص515
2- القرآن پارہ2 سورۃ البقرا آیت153

حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں کہ صبر تین طرح کا ہوتا ہے:

'' ایک صبر خدا کے لیے ہے اور وہ ادا کرنا احکام الٰہی و باز رہنا موانعات سے۔ اور دوسرا صبر خدا تعالٰی کے ساتھ ہے یعنی تقدیر الٰہی پر صابر شاکر رہنا اور تیسرا اوپر خدا کے ہے اور وہ اسکے وعدۂ روزی و فراخی اور کفایت و مددگاری اور ثواب اُخروی پر صبر سے انتظار کرنا ہے۔''[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا قول ہے کہ صبر ایمان کے جسم کا سر ہے۔[2]

حضرت جنید بغدادیؒ کے نزدیک ، تھوڑا تھوڑا کڑوا گھونٹ بغیر منہ بنائے پینا صبر ہے۔''[3] جبکہ بقول حضرت ذوالنون مصریؒ'' صبر کا معنی مخالفت سے دور رہنا ہے اور غم وغصہ کو آرام کے ساتھ برداشت کرنا اور میدان معیشت میں بحالت فقر و تنگدستی، تونگری کا اظہار کرنا ہے۔[4] غور کرنے سے صبر کا یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ غربت اور تنگی میں بھی حالات کا مسکراتے ہوئے مقابلہ کرنا اور زبان پر شکوہ شکایت نہ لانا ،صبر ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ کے خیال موجب رضا کا مطلب ہے کہ انسان مصیبت میں بھی اسی طرح خوش رہے جس طرح نعمت سے خوش رہتا ہے۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ کے نزدیک رضا یہ ہے کہ بندہ ، خدا کے حکم اور اس کی مرضی پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ تقدیر کے لکھے ہوئے پر یعنی قضاو قدر پر صبر کرے۔ خدا کے کاموں میں چوں و چرا نہ کرے اور اسکے احکامات کے سامنے بغیر حیل و حجت کے سر جھکا دے۔ تدبیر کی بجائے تقدیر کو مقدم سمجھے۔ اور اپنے دل سے خواہشات کو ختم کر دے۔ قرآن

1- غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ ص 611

2- ایضاً

3- ایضاً

4- ایضاً

پاک نے صبر اور رضا کا بہترین اجر بتایا ہے۔حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص رضا سے آراستہ و پیراستہ ہے اور کشادہ پیشانی سے ہر اک کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے بہت بڑا مرتبہ بزرگی کا عطا ہوتا ہے۔ [1]

حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے صبر و رضا کے موضوع کو براہ راست قرآن سے اخذ کیا ہے۔ بلکہ قرآن پاک کی آیات کا براہ راست ترجمہ پیش کیا ہے۔مثلاً یہ شعر دیکھئے۔

مدد منگو تسیں مومنو بندگی صبر دے نال
اللہ ہے نال صابراں ہر ویلے ہر حال [2]
جو کٹھے راہ خدائے دے موئے آکھو ناں
سدا سدا اوہ جیوندے ناہیں خبر اساں
صبر کیتا جیہناں خوف وچ یا وچ بھکھ نقصان
گھاٹا مال یا آدمیاں یا وچ میوے دھان
اوہناں بشارت رب دی ہادی اوہناں خدا
نوشہ یادی اوسدا جس دتا ایہہ سمجھا
سچا آپ خدا

نوشہ صاحبؒ صبر کو درویش کی کمان قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر کمان اچھی ہو تو اس سے نکلا ہوا تیر ہدف پر لگے گا۔ اسی طرح اگر درویش صحیح معنوں میں صبر سے کام لے تو اسکی زبان سے نکلا ہوا کلمہ ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے۔یعنی ہر کلمہ سچ ہوتا ہے:

1- غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ ص 614
2- گنج شریف ص 350

صبر کمان درویش دی نوشہ صبر کمائے
صابر سندے صبر دا ہووے نہ تیر خطائے [1]

رضا کیا ہے؟ نوشہ صاحبؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مرشد کہے توں سن سچیار | سچا سو جس سچی سرکار [2]
سچی کار خاوند دی یاد | رب رضا تے ہون دل شاد
رب رضا تے راضی جو کوئے | اللہ اس تے راضی ہوئے
مورکھ چاہے موڑیا لیکھ | مڑے ناہیں جو لکھیا الیکھ
کویں مڑے جو چاہے رب | اوکھا کرے مورکھ نوں لب
قسمت کھاوے غنی فقیر | کارن طمع دے ہو زہیر
قلم ربانی سرتے وہے | مورکھ مفت وچ اوکھا رہے
چاہے بندے کجھ نہ ہوئے | جو رب چاہوے ہووے سوئے
مڑے ناہیں جو لکھیا دھنی | چویا ددھ نہ پوندا تھنی
جو لکھیا سو ہوون ہار | موڑیا چاہے مورکھ گوار
سالکاں منی رب رضائے | نوشہ واہ جو کرے خدائے

درویش وہ ہوتا ہے جو اللہ کی رضا پر راضی ہوتا ہے:

منن رب رضا نوں درویش خدا دے
خوشی گزارن رات دن خوش رہن رضا تے [3]
چاہ نہ رکھن اپنی درویش الٰہی
اوسے گل نوں چاہندے جو مولیٰ چاہی

1- گنج شریف ص352
2- ایضاً ص405
3- ایضاً ص406

جو تقدیرے لکھیا سوہووے ہووے
پیر پیغمبر اولیئے کوئی لیکھ نہ دھووے
قادر اگے کسے دی نہ قدرت چلّے
بن قادر دے حکم دے اک برگ نہ ہلّے

راضی بہ رضا رہنے کا بے حد ثواب اجر ہے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں، ان کے لیے سب سے بہتر اجر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ ان کا مقام بہشت بن جاتا ہے اور آخر کار ان لوگوں کو خداوند کریم کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ خداوند کریم کے اس قدر نزدیک ہو جاتے ہیں کہ خدا کی مرضی کے بغیر زبان نہیں کھولتے۔ لہذا جب کبھی وہ زبان سے کوئی لفظ نکالتے ہیں۔ تو وہ فوراً پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بولنے سے قبل ہی رب کی رضا حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر اسی کے حکم سے زبان کھولتے ہیں:

راضی رب تس مرد تے جو منے رب رضائے
راضی اوہ خدا تھوں اس تھوں آپ خدائے (1)
راضی رہن خدا تے بہشتی مرد خدا
آکھے نوشہ قادری وڈا بہشت رضا
اوہ فقیراں بھاوندا جو کجھ بھاوے رب
نوشہ مرد فقیر نوں ہور نہ کوئی لب
راضی رہن رضا تے جیہناں ویکھیا آپ ہی آپ
ہووے بھانا رب دا کیہا پن کیہا پاپ
راضی رہن رضا تے سو راضی رہن ہمیش
نوشہ راضی کون ہے راضی مرد درویش

1- گنج شریف ص408

جس وچ خوشی خدائے دی تس وچ خوش درویش
نوشہ مرد درویش نوں اِت بِدھ خوشی ہمیش
نوشہ چاہیا رب دا چاہن مرد فقیر
اوہناں ایہہ نہ چاہیا جو مڑ جاوے تقدیر
جو درویشاں چاہنا چاہے اللہ سوئے
نوشہ چاہ جو رب دی درویشاں اوہو ہوئے

فقر اور درویشی

اکثر صوفیائے کرام نے حضور اکرمﷺ کے اس فرمان ''الفقر وفخری'' سے فقر اور درویشی کی تعلیم حاصل کی ہے۔حضور اکرمﷺ نے فقر کو تاج قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ فقر کیا ہے؟ فقر اختیار کرنے والے کو فقیر کہا جاتا ہے،تصوف کی دنیا میں فقیر سے مراد بھیک مانگنے والا بھکاری نہیں ہے بلکہ ایک نہایت پروقار شخصیت کا نام ہے۔فقیر کا وقار خدا کی ذات ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقر کو پانا ہر کسی کے لیے آسان نہیں۔ بقول حضرت غوث الاعظمؒ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

''اگر تو میرے ساتھ ہم نشینی چاہے تو تمہیں چاہیے کہ فقر اختیار کرو۔ یعنی میرے پرتو کے عکس سے پرہیز کرو جو تمہاری ذات میں ہے، اور اپنی ذات کو فناہ کر دو۔یعنی میرے ہی محتاج بنو۔ میرے ہم رنگ ہو کر مجھ سے اتحاد و یگانگت کر چکو تو میرے لیے میرے محتاج ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ تم ''میں'' ہو جاؤ۔ بالکل معشوق ہو جاؤ تو فقیر کا فقر پورا ہوگا۔ جب فقیر کا فقر کامل ہو جائے تو فقیر کا آئینہ اس سے صاف ہو جاتا ہے کیونکہ اس فقر کا نمائندہ یا دکھانے والا میں ہی ہوں۔''(1)

1- رسالہ غوث الاعظم اردو ترجمہ ص 141

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ فقر اور فقیر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقیر وہی ہے جو خدائے عزوجل سے حاجت مانگے۔ حاجت مانگے سے فقیر کے دل میں آگ بھڑکتی ہے۔ تاکہ ماسوا خدا کو جلا دے اور فقر کی تکمیل میں جلتا رہے۔''[1]

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

''فقیر اسے کہتے ہیں جسے قربِ ربّانی ،نفس کی سلطانی ، ناظر عیانی، نظرِ لامکاں اور روحانی مرتبہ حاصل ہو اور اگر لاہوت و لامکان میں آ کر دونوں جہان کی طرفوں کو دیکھے تو اسے رائی کے دانے کے اور مچھر کے پر کے برابر دکھائی دے۔''[2]

حضرت نوشہ گنج بخشؒ فقر اور فقیری کے ان تمام رموز اسرار سے واقف تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں فقر اور فقیری کے متعلق وضاحت سے بیان کیا ہے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فقر ایک ایسا عمل ہے جو صرف اولیائے کرام اور درویشوں کا ہی حصہ نہیں ہے بلکہ پیغمبروں اور انبیاء نے بھی فقر اختیار کیا:

کیتا فقر پیغمبراں کر کر یاد خدا
نوشہ مرد فقیر سو جو منّے رب رضا[3]

فقر کا درجہ بہت بلند ہے۔ فقر اختیار کرنے والا صرف خداوند کریم کا طلبگار اور محتاج بن جاتا ہے۔ دنیاوی سہارے اسے بے معنی اور ہیچ لگتے ہیں۔ ایک فقیر پر جب یہ راز منکشف ہو جاتا ہے کہ اول و آخر رب ہی رب ہے۔ وہی ہر قسم کی ضروریات

1- رسالہ غوث الاعظم اردو ترجمہ ص 72
2- سلطان باہوؒ: عقل بیدار، اردو ترجمہ، اللہ والے کی قومی دکان لاہور 1977ء ص 71
3- گنج شریف ص 307

واحتیاجات کو پورا کرتا ہے تو پھر اس کے تمام دنیاوی سہارے خود بخود ٹوٹ جاتے ہیں نوشہ صاحب فرماتے ہیں:

رب فقیر نوں پالدا وچ اپنے سائے
جتھے وہم نہ اپڑے اوتھے رزق پہنچائے[1]

فقر کا درجہ کس قدر بلند ہے؟ فقر کا افادی پہلو کیا ہے۔ اس کے متعلق نوشہ صاحب کا ارشاد ہے:

فقر نشانی بہشت دی نہ کجھ خوف نہ غم
نوشہ مرد فقیر دا رہے سکھالا دم [2]
بہشت فقیری پیاریا جس وچ خوف نہ غم
آکھے نوشہ قادری فقر شہانا کم

ایک فقیر کا کن صفات سے متصف ہونا لازمی ہے۔ اس کے متعلق نوشہ صاحبؒ کا بیان ہے:

مرشد سچے مہر نگاہے کاٹھاں کیتا ہریا
مہر نظر کر مرشد سچے سکھنیاں نوں بھریا[3]
بے نیازی دے تخت بہایا تاج درویشی دھریا
مرشد سچے مہر نگاہے کاٹھا کیتا ہریا
صبر جلوس قناعت خزینہ سِکّہ صدق دا لایا
خطبہ اللہ اللہ پڑھیا دم دم حکم سوایا

1- گنج شریف ص308
2- ایضاً ص309
3- ایضاً ص307

غصہ حرص تکبر شہوت حسد بغض دلگیری
شہر بدر کر چوراں ٹھگاں عملاں دتی امیری
لئی فقیری گئی دلگیری بے غم چھتر جھلریا
نوشہ کہے فقیر قادر دا فقروں جنم سدھریا

فقیر اور دنیا دار ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کو نوشہ صاحبؒ نے دلچسپ انداز میں یوں پیش کیا ہے:

جُتی مرد فقیر دی چومے جُمل جہان
پگڑی دنیا دار دی سن سر رُلے میدان[(1)]

o

جو بادشاہی لقب ہے سو فقرا وڈا نام
قادر دے فقرانوں سب جھک جھک کرن سلام[(2)]

فقیر کا اخلاق کردار اور حسن سلوک کیسا ہونا چاہیے۔ اس کے متعلق نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

مہر مسکینی خادمی دینداری دا راہ
ایہہ نشان فقیر دے کہے فقیر نوشاہ[(3)]
چور زناہی بھوہرواں نیت کھوٹی رِت
کھوٹ نہ کم فقیر دا نوشہ رکھیں چت

1- گنج شریف ص315
2- ایضاً ص313
3- ایضاً ص315

ناہیوں کم فقیر دا ظلم زور زناہ
مہر محبت بندگی ایہہ فقیری راہ

فقیر حقیقت میں واصل حق ہوتا ہے اس لیے اسکی نگاہ میں تلوار کی کاٹ اور بجلی کی چمک سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اسی امر کا اعتراف علامہ اقبالؒ نے یوں کیا ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نوشہ صاحبؒ جسے فقیر کہتے ہیں علامہ اقبال کے نزدیک وہی مرد مومن ہے۔ نوشہ گنج بخشؒ نے نگاہ فقیر کے اثر کو یوں بیان کیا ہے:

مارے مرد فقیر دے مردے لکھ امیر
نوشہ سٹ فقیر دی جھل نہ سکن پیر [(1)]

نوشہ صاحبؒ فقیری اور درویشی کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک فقیر یا درویش ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ کیونکہ دونوں کا ایک ہی کام، ایک ہی عمل اور ایک ہی پہچان ہے۔ بلاشبہ فقیر دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس لیے وہ دنیا داروں کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن نوشہ صاحبؒ اس درویشی کے قائل نہیں جو انسان کو انسان سے دور لے جائے اور لوگوں سے بیزار کر دے۔ ان کے نزدیک درویش وہ ہے جو انسانیت کی خدمت کو اپنا شعار بناتا ہے۔ اچھے اخلاق کا مالک ہے دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ نیکی کا پرچار اور برائی سے نفرت سکھاتا ہے۔ کیونکہ درویش یا فقیر خدا سے لو لگانے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی اسی راہ پر چلانے اور ترغیب دینے میں ماہر ہوتا ہے۔ اس لیے نوشہ صاحبؒ جب درویش یا فقیر کی بات کرتے ہیں تو روحانی پہلو کے ساتھ ساتھ سماجی پہلو بھی پیش نظر رکھنا درویش یا فقیر کا فرض خیال کرتے ہیں۔ سب سے پہلے نوشہ صاحبؒ کا وہ شعر ملاحظہ کریں جو ان کے ان نظریات

1- گنج شریف ص313

وافکار کا غماز ہے۔ پھر وہ شعر دیکھئے جس میں وہ درویشی کو معاشرے کی ضرورت سمجھتے ہیں اور درویش کی ذمہ داری بھی۔

درویشی دے رکن ترے حال، قال، اعمال
حال صدق ، اقرار قال ،حکم منن اعمال (1)

o

نوشہ خدمت بندگی ، مہر صبر یقین
پنجے کم درویشی دے کرے جو مرد مسکین (2)

فقر اور درویشی کا عملی پہلو کیا ہے؟ اور ان سے سماج کیسے سنورتا ہے؟ نوشہ صاحبؒ کی شاعری میں اسکی خاص اہمیت ہے اور یہ اہمیت قاری پر خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔نوشہ صاحب فرماتے ہیں:

بندہ اوہ فقیر ہے جو رہے امید دے در
نوشہ مرد فقیر نوں نہ کجھ لوبھ نہ ڈر (3)

o

دنیاداراں جھوٹھیاں جھوٹھے بول مخول
نوشہ مرد درویش دے سچ سچاویں قول (4)
نوشہ پنتھ درویش دا بے غم بے وسواس
جتھے ویری کوئی نہ تتھے اوہناں واس

o

1- گنج شریف ص325
2- ایضاً
3- ایضاً ص385
4- ایضاً ص320

نہ ایہہ ویری کسے دے کرن نہ کسے ویر
اوہناں ویری کوئی نہ جتھے کتھے خیر
درویشی کُل خیر پیارے درویشی کُل خیر
نہ درویشاں بغض بخیلی نہ درویشاں وَیر[1]

نوشہ صاحبؒ نے بلاشبہ اپنے کلام کے ذریعے تصوف کی تعلیم دی ہے۔لیکن ادبی شان اورفن شاعری کوکہیں بھی مجروح ہونے نہیں دیا:

رُکھاں سیہا وڈ کپ دھرتی سیہا تول
سہن درویش خدائے دے نوشہ بول کبول[2]

نوشہ صاحبؒ کے خیال میں درویش یا فقیر ہی اصل میں مومن ہے۔ جو ایک طرف اللہ سے لو لگا تا ہے دوسری طرف رب کی مخلوق کو رب کیساتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے۔لیکن دنیا دار باطن کی آنکھ سے محروم ہوتا ہے۔ اس لیے وہ درویشی کی رمز کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔لیکن بعض بد بخت اپنی کم عقلی اور جہالت کے باعث درویشوں کو بُرا کہتے ہیں۔ ایسے ہی بُرے اور بدقماش لوگوں کے بارے میں نوشہ صاحبؒ بعض اوقات جذباتی ہو جاتے ہیں:

مندا کہے درویش نوں جِس مندائی ذات
گوڑی لگے کھنڈ تِس کوڑا جیہندا وات[3]
جانے نیچ فقیر نوں ہووے جوجنم دا نیچ
کُھلے اوکھی پٹ دی گئی گنڈھ جاں پیچ

1- گنج شریف ص320
2- ایضاً ص325
3- ایضاً ص310

دروِیشاں اندیشہ ناہیں بادشاہاں سر دھوکے
درویشی درویشاں ملی بادشاہاں تخت جھروکے (1)
درویشی دا قدر پچھانے سو درویش الٰہی
درویشی نوں اُتم جانے نیچ جانے بادشاہی
دنیا گند نجاست ڈھیری ہن چوہڑے کیں چاہی
الفقر و فخری حضرت فرمایا نوشہ کہے نگاہی

آخر میں اس موضوع کو یوں سمیٹتے ہیں:

خُلق درویشی ، لطف درویشی ، خدمت بھی درویشی
مالوں ، جانوں ، دلوں ، زبانوں ، بھلیائی درویشی (2)
درویشی اخلاص پیارے درویشی اخلاص
میں میں چھوڑے مانا توڑے سوئی بندہ خاص
میری میری گوڑ دی ڈھیری گوڑوں لکھ وناس
ہکو رنگ سدا درویشاں طمع نہ کُجھ ہراس

ذکر فکر

ذکر فکر ایک درویش کی غذا ہے۔ اسے روحانی طور پر جس قدر بلندیاں حاصل ہوتی ہیں وہ سب کی سب ذکر فکر کے باعث ہیں۔ ذکر سے مراد اللہ کی یاد میں ڈوبے رہنا ہے اور فکر سے مراد انسان کا کائنات میں آنے کا مقصد تلاش کرنا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے چالیس سال ہمارے سامنے ہیں۔ آپ ؐ کئی کئی دن تک غار حرا میں ذکر فکر میں مصروف رہتے ہیں۔ ذکر فکر حکم خداوندی ہے اور سنتِ رسول ﷺ

1- گنج شریف ص322

2- ایضاً ص232

بھی ہے۔ اس کے بغیر تصوف کی کوئی منزل بھی طے نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَالَّذِیْنَ جَاھَدُو افِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا" (1)

یعنی۔ جولوگ ہمیں ملنے یا ہم تک پہنچنے کوشش کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنی طرف آنے والی راہ دکھا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم قرآن پاک میں آیا ہے۔

"وَاذْکُرُو اللّٰہَ کَثِیْراً لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" (2)

اور اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو۔ تاکہ تم فلاح پا جاؤ

"یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوا ذُکُرُو اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْرَا" (3)

اے ایمان والو! اللہ کو یاد کرو بہت زیادہ یاد کرو۔

"وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعاً وَخِیْفَۃً وَ دُوْنَ الْجَھْرِ" (4)

اپنے پروردگار کو یاد کرو۔ اپنے دل میں عاجزی کیساتھ، ڈر کیساتھ، نیچی آواز کے ساتھ۔

انسانی زندگی کا مقصد، دین اور دنیا کی بھلائی اور بہتری تب ہی ہوسکتی ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر میں پورے خلوص کیساتھ ڈوبا رہے۔ ذکر فکر کا بنیادی مقصد دل کے رنگ محل کو غیر خدا کی محبت سے خالی کر کے اسے اللہ تعالیٰ کی یاد کی مہک سے آباد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر میں ڈوبا ہوا سالک ربی رحمت کا طلبگار ہوتا ہے۔ علامہ محمد ذوقی نے ذکر کی نہایت خوبصورت تعریف کی ہے:

"ہر وہ چیز جس کے توسّل سے یادِ حق ہو خواہ اسم ہو یا رسم، فصل ہو یا

1- القرآن 29/69

2- ایضاً 8/45

3- ایضاً پارہ 22 سورۃ الاحزاب۔ 41

4- ایضاً پارہ 9 سورۃ اعراف آیت 205

جسم، کلمہ ہو یا نماز، تلاوت قرآن یا درود شریف یا ادعیہ یا کیفیات یا
کوئی اور چیز جس سے مطلوب کی یاد ہو اور طالب و مطلوب میں رابطہ
پیدا ہو یا بڑھے اصطلاح تصوف میں ذکر کے نام سے موسوم ہے۔ (1)

قرآن مجید میں جہاں مومنین کو ذکر میں مصروف رہنے کا حکم موجود ہے وہاں ذکر کرنے والوں کا مرتبہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن کا ذکر کرتا ہے:

" اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ " (2)

" وَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْلِی وَلَا تَکْفُرُوْنَ" (3)

ذکر دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہونے اور رابطہ قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا ذکر کرنے کے بہت سے طریقے ہیں تصوف کے مختلف سلسلوں میں مختلف طریقے مروج ہیں۔ علامہ شاہ محمد ذوقی نے ان سلسلوں کے حوالے سے ذکر کی یہ بارہ اقسام بیان کی ہیں:

1- **ذکر قلبی:** یہ ذکر زبان کی بجائے دل سے کیا جاتا ہے۔ اسے ذکر ملکوتی کہتے ہیں۔

2- **ذکر لسانی یا ناسوتی:** یہ ذکر زبان سے کیا جاتا ہے۔

3- **ذکر روحی:** یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ اسے جبروتی اور مشاہدہ بھی کہا جاتا ہے۔

4- **ذکر نفسی:** اس ذکر میں عقلی تصور کیساتھ اصل مقصود کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسے فکر بھی کہتے ہیں۔

5- **ذکر لاہوتی:** اس ذکر کے دوران میں سالک کے دل پر اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات

1- شاہ محمد ذوقی: سرّ دلبراں؛ کراچی 1388 / 1968ء ص 169

2- القرآن پارہ 4 سورۃ آل عمران آیت 191

3- القرآن پارہ 2 سورۃ البقرۃ آیت 152

چمکتے ہیں۔اس لیے اسے ذکر سرّی اور معائنہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

6- **ذکر نفی اثبات**: صرف لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کا ورد کرنا۔

7- **ذکر اسم ذات**: صرف اِلا اللّٰہ کا ورد کرنا اور دل کی ضرب کیساتھ اِلا اللّٰہ کہنا۔

8- **ذکر جبروتی**: ھُو ھُو کا ذکر کرنا۔

9- **ذکر مریضہ**: ذکر کے دوران مریض جیسی آواز نکالنا۔تا کہ ذکر میں سوز پیدا ہو جائے۔سلسلہ سہروردیہ کے پیروکار یہی ذکر اکثر کرتے ہیں۔

10- **ذکر محزونہ**: غمناک آواز میں ذکر کرنا۔ عام طور پر قادریہ حضرات یہ ذکر کرتے ہیں۔

11- **ذکر عشقیہ**: ذوق وشوق کے غلبے کیساتھ ذکر کرنا۔ یہ ذکر چشتیہ سلسلے کی خوبی ہے۔

12- **ذکر رابطہ**: اپنے مرشد کے ساتھ رابطہ قائم رکھنا۔ حاضر و غائب اسکی موجودگی میں ادب کیساتھ اور عدم میں تصور کے ساتھ ذکر کرنا۔ اس خیال سے کہ اس کا مرشد دیکھ رہا ہے۔

ان میں سے ذکر نفی اثبات، ذکر اسم ذات، ذکر عشقیہ اور ذکر رابطہ سلسلہ نوشاہیہ کے بزرگوں میں زیادہ مروج ہیں۔نوشہ گنج بخشؒ نے اپنی شاعری میں جو ذکر پر بڑا زور دیا ہے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ اس میں ان چار طریقوں کی چاشنی موجود ہے۔ سرکار دو عالمﷺ کی حیات طیبہ سے پتا چلتا ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے ساری ساری رات کھڑے رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا۔ پھر بھی آپؐ اللہ کی یاد میں محو رہتے تھے۔ آپؐ کے صحابہؓ نے بھی حضور اکرمﷺ کی تقلید کی اور ساری ساری رات عبادت کیا کرتے تھے۔ اکثر اولیاء اللہ کا بھی یہی معمول رہا ہے۔حضرت نوشہ گنج بخشؒ اپنے دور کے عظیم صوفی اور درویش تھے اس لیے وہ ذکر فکر کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھے۔انھوں نے اپنی زندگی میں

کئی ایک مجاہدے کیے۔ وہ ساندر کے ویرانے میں کئی کئی دن تک اکیلے ربی فکر ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ اس لیے ذکر فکر کی حقیقت ان پر آشکار تھی۔ انہوں نے اپنی شاعری میں انسان کو ہر وقت ربی یاد میں مصروف رہنے کا درس دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسان کو ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مگن رہنا چاہیے۔ کیونکہ یاد کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طلب کرنا بےمعنی ہے۔ انسان کی زندگی کس قدر طویل یا مختصر ہے کسی کو خبر نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ جتنی زندگی ہے اسے ربی یاد میں گزارا جائے۔ کیونکہ جو دم غافل سو دم کافر ہوتا ہے۔ انسان کی تخلیق کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُم اور قَالُو بَلٰی کے میثاق کے مطابق یادالٰہی کو زندگی کا مقصد بنائے نوشہ صاحبؒ کہتے ہیں:

جے تیں طلب خدائے دی آٹھ پہر کر یاد
یاد بناں جو طلب ہے نوشہ سو برباد(1)
جو دم آوے یاد وچ اوہ غنیمت دم
نوشہ یاد کر رب دی جو آیوں ایسے کم(2)
صفت صاحب دی بولیے جاں جاں چلے زبان
ایتھے وت نہ آونا دم غنیمت جان
بندگی کریئے حق دی ہور کسے دی ناں
اوہو لائق مننے جو سب وچ عیاں (3)

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو غفلت چھوڑ کر ربی یاد میں مگن رہنا سودمند ہے۔ کیونکہ دنیا میں انسان صرف ایک ہی مرتبہ آتا ہے۔ موت کے بعد اس کا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ اگر کچھ باقی رہتا ہے تو حق کی یاد ہی باقی رہتی ہے۔

1- گنج شریف ص363
2- ایضاً ص477
3- ایضاً ص385

اللہ تعالیٰ نے انسان کوطرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ وہ رنگا رنگ کھانوں سے لذت لیتا اور لطف اندوز ہوتا ہے۔ لطف اندوز ہونے والی زبان اگر وہ ان نعمتوں کے عطا کرنے والے کا شکر ادا نہ کرتے ایسی زبان کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے:

غافل غفلت چھڈ دے نوشہ آکھے ایہہ
پھیر نہیں ایتھے آونا جاں مٹی ہوسی دیہہ [1]
یاد نہ کرے داتار دی کھاون نوں تیار
نوشہ کہے اس جبھ نوں نالوں کٹ اُتار

نوشہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ کائنات کی ہر شئے رب کی یاد میں مصروف ہے۔ جیسے درخت کے پتے اللہ کی یاد میں مگن رہ کر سرسبز رہتے ہیں۔ اسی طرح جو بندہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مگن رہتا ہے وہ ہمیشہ شاد و آباد رہتا ہے۔ کیونکہ اسے ربی یاد سے دلی سکون میسر آتا ہے:

ہر ہر برگ درخت دے کردے یاد خدائے
نوشہ یادی رب دا ہریا رہے سدائے [2]

اللہ تعالیٰ نے آرام کرنے کے لیے رات بنائی ہے۔ ساری خلقت دن بھر کام کرنے کے بعد رات کو آرام کرتی ہے۔ لیکن صوفی رات کو رب کی یاد کے لیے بہترین وقت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کو نیند کی بجائے رب کی یاد میں آرام حاصل ہوتا ہے:

سنجھ پئی دن گزریا چاہے خلق آرام
نوشہ یاد کر رب دی جو ایہہ آرام دا کام [3]

ہر جاندار شئے رب کی یاد میں مصروف رہتی اور جو بے جان شئے ہے وہ

1- گنج شریف ص473
2- ایضاً ص476
3- ایضاً ص477

خاموش ہے۔نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے فارغ ہے اسے زندہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ پتھر ہے جسکی زبان ذکر کے لیے کھل نہیں سکتی۔

یاد بناں جو آدمی سو سِل پتھّر وَٹ

نوشہ حق دی یاد وچ پل پل ساہ پلٹ(1)

یوں تو نوشہ صاحبؒ نے ذکر فکر کے متعلق بے شمار شعر کہے ہیں لیکن طوالت سے بچنے کے لیے یہاں صرف ایک شعر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے:

بندگیوں رب پائیے بندے بندگیوں رب پائیے(2)

مرشد سچا پار لنگھاوے من مرشد سنگ لائیے

مسئلہ تناسخ اور ہندومت کا ردّ

ہندو مذہب اور تہذیب کے پیچھے انسانی عقل کا صدیوں کا سفر ہے۔ اس مذہب کی بنیاد عقلیات اور تخلیّات پر ہے۔ جبکہ اسلام ایک الہامی مذہب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کے کسی پہلو میں تشنگی یا کمی کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں ہندو مذہب اور تہذیب میں اس قدر الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں کہ قدم قدم پر قول و فعل ایک دوسرے کا مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ نے لوگوں کو ہندو مذہب کے ان نقائص سے واقف کرایا ہے تا کہ وہ غلط راستہ چھوڑ کر سچے رب کے صراط المستقیم پر گامزن ہوسکیں۔ نوشہ صاحبؒ کی نظم ''ہندواہار'' کے چند شعر دیکھیں۔ جن میں ایک طرف ہندو معاشرے کی واضح تصویر ہمارے سامنے آ جاتی ہے دوسری طرف ان کی رسومات و رواج خود ان کا مذاق اڑاتے دکھائی دیتے ہیں:

1- گنج شریف ص475

2- ایضاً ص474

ہندو ڈر دا مٹیوں مٹی تے سڑ دا
مٹی ہوئے سواہ تھوں پھر مٹی پڑدا(1)
سو مٹی گھمیار لے پھڑ بھانڈے گھڑدا
کُتاں گئو دے گوشت دا اُتے چلھے چڑھدا
جُتی گئو کے چم دی پیریں ہندو پاون
گاترا کر تروار دا گل سینے لاون
دُدھ گئو تر پیونا گوہا چوکے پاون
پوچھ ستر ائی گئو دی لے چَوری بناون
پانی پیون بوکیوں بوکے نال نہاون
چرم منڈی وچ بیٹھ کے ہک ہک چم گناون
گئوئیں چھکڑے واہندے آر بلداں لاون
گئو رت ہتھ لگدی ان دھوتے کھاون

ہندومت میں کچھ ایسی رسومات آج بھی موجود ہیں جن کو انسان نفسیاتی طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن عقل فکر رکھنے کے باوجود ہندو ان رسومات کو مذہب کا حصہ بنائے ہوئے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ ان بری اور غلط رسومات کا ذکر کرتے ہوئے ہندوؤں کی معاشرتی زندگی پر زبردست طنز کرتے ہیں:

گوہا نال گئو تر گھولن تس نوں کہن پوتّر
ڈِھیری کرن تے مونہہ چڑاون تاں راضی ہون وڈِتّر (2)
دُکھ لکاون نہ رل کھاون ہک دوئے دے مِتّر
نوشہ کہے فقیر محمدیؒ چھتریاں سر چھتّر

1- گنج شریف ص613
2- ایضاً ص380

ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا نے ''پنجابی صوفی شاعر'' میں تصوف کے موضوع کو زیر بحث لاتے ہوئے جہاں اور بہت سی اغلاط کا ارتکاب کیا ہے وہاں یہ بھی غلط بیان کیا ہے کہ مسلمان صوفیاء نے مسئلہ آواگون کو تسلیم کر لیا تھا۔ ڈاکٹر لاجونتی کے اس بیان کی اساس سوائے تعصب کے اور کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان صوفیائے کرام نے کبھی بھی مسئلہ تناسخ کو تسلیم نہیں کیا۔

مسلمان صوفیائے کرام نے اس دنیا کو ہمیشہ عارضی قیام گاہ یا سرائے کہا ہے جہاں مسافر ایک دو دن قیام کرنے کے بعد اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ وہ اس دنیا میں ہی اگلے جہان کی فکر کرے۔ مسلمان صوفیاء نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ تمام مخلوقات میں صرف انسان بہترین مخلوق یا احسن تقویم ہے۔ اس لیے کائنات کی ہر مخلوق سے زیادہ انسان کی قدر و منزلت ہے۔ مگر انسان کی موت کے بعد اس کا مختلف جانوروں کی شکل میں دوبارہ جنم لینا صرف انسانی ذہن کی تخلیق ہے۔ جس میں انسان کی بے حد توہین و تذلیل ہے جو کسی صورت بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ ڈاکٹر لاجونتی نے اپنے نظریات کی تائید کے لیے سید بلھے شاہؒ کو ویدانتی صوفی کہا ہے۔ حالانکہ بلھے شاہ ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتے ہیں:

ایتھے آونا دوجی ناہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار ناہیں
ایہہ سون تیرے درکار ناہیں(1)

حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے ہندومت کے اس نظریے کی پر زور مخالفت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ انسان دنیا میں صرف ایک ہی مرتبہ آتا ہے۔ موت کے بعد دوبارہ جنم لے کر اس دنیا میں نہیں آتا۔ کیونکہ موت کے بعد اسکی ایک اور زندگی شروع ہو جاتی ہے جسے برزخ کی زندگی کہا جاتا ہے۔ انسان کے نیک اعمال اور برے اعمال کا حساب

1- کلام بلھے شاہؒ، ص 4

کتاب قیامت کے دن ہوگا۔ پھر اسکے اعمال کے مطابق اسے جزا اورسزا ملے گی۔
حضرت نوشہ صاحبؒ مسئلہ تناسخ کورد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نہ اسیں آئے نہ اسیں چلے آوا گون بھرم دی
مرشد آواگون مٹائی کیتی نظر کرم دی[1]
پڑھ کلمہ جوناں توں چھٹے لدھی واٹ پرم دی
نوشہ کہے فقیر الٰہی وار سنوار جرم دی

غافل غفلت چھڈ دے نوشہ آکھے ایہہ
پھیر نہیں ایتھے آونا جاں مٹی ہوسی کھیہہ [2]

دم دم رب سنبھالیئے غفلت دیئے ٹال
ایتھے پھیر نہیں آونا نوشہ رب سنبھال[3]

ہندومت کے یہ نظریات نہ تو کسی منطق کا نتیجہ ہیں اور نہ ہی کسی مذہب سے اخذ کئے گئے ہیں۔صرف سنی سنائی روایات اور من گھڑت کہانیوں پر مشتمل ہیں۔نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، اسی طرح ہندومت کے ان نظریات کے بھی پاؤں نہیں ہیں۔ اس لیے وہ مسلمانوں کو ہندوؤں کی صحبت سے پرہیز اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں:

نوشہ ہندو چور نیں گلاں لین چرا
ایہناں نہ آون پاس دے ایہناں پاس نہ جا[4]

1- گنج شریف ص389
2- ایضاً ص473
3- ایضاً ص476
4- ایضاً ص614

مول نہ ایہناں نال مل ملن نہ دے سچیار
ایہہ سبھ گل دے چور نیں بھٹھ ایہناں دا پیار

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان غیر منطقی اور غیر فطری نظریات سے محفوظ رہنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ کلمہ طیبہ پر مکمل طور پر ایمان قائم کیا جائے۔ کیونکہ کلمہ ہی ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ انسان کو دین اور دنیا کے عذاب سے نجات دلاتی ہے:

مرد فقیر جس کلمہ پڑھیا سو جوناں تھوں چھٹا
مکت ہویا جس کلمہ پڑھیا جوناں بھوگن تھوں چھٹا[1]
ایہنی کلمہ نر بندھن ہویا کلمیوں بندھن ٹُٹا
نام برابر وست نہ کوئی نام بناں سب بُٹا
نوشہ کلمہ نام سچاواں نامی کدی نہ کھُٹا
کلمہ پڑھے سوجون نہ پاوے پہنچے دھر درگاہ
کلمہ آونوں جاونوں رکھے کہے فقیر نوشاہ

حاصل کلام یہ ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے اپنی صوفیانہ شاعری کی بنیاد ان صوفیانہ خیالات پر استوار کی جو خالصتاً اسلامی تصوف کی پیداوار تھے۔ انہوں نے اپنے صوفیانہ کلام کے ذریعے بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ سے شروع ہونے والی صوفیانہ ادبی روایت کو اس قدر مستحکم بنا دیا کہ ان کے بعد آنے والے صوفی شعراء بھی ویدانت اور بھگتی لہر سے متاثر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک پنجابی صوفیانہ شاعری اسلامی تعلیمات کا وہ نقشہ پیش کرتی چلی آ رہی ہے جو آنے والی نسلوں کو فکر کی صحیح سمتیں متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتا رہے گا۔

1- گنج شریف ص389